Research Journal
Tahqeeqat
جلد:4، شمارہ:2، 2025ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

منتخب کلاسیکل اور جدید شاعرات کی شاعری کا نسائی فکری و فنی اور تقابلی جائزہ

A Feminist Thematic, Stylistic and Comparative Study of Selected Classical and Contemporary Urdu Women Poets

Samina Yasamin
M Phil Urdu Scholar, Superior University Faisalabad

ثمینہ یاسمین
ایم فل اُردو اسکالر، سپیریئر یونی ورسٹی فیصل آباد

Dr. Mubshar Saeed
Assistant Professor, Superior University Faisalabad

ڈاکٹر مبشر سعید
اسسٹنٹ پروفیسر، سپیریئر یونی ورسٹی فیصل آباد

Abstract

This research explores the evolution and significance of women poets in Urdu literature, tracing their journey from classical to modern times. It highlights how, despite being historically marginalized and often omitted from literary anthologies, women have continuously contributed to the richness and diversity of Urdu poetry. Beginning with early figures like Empress Noor Jahan, Princess Zeb-un-Nisa, and Mah Laqa Bai, the study acknowledges their silent yet impactful presence, often expressed through veiled metaphors and refined aesthetics. Moving into the modern era, the abstract underscores the transformative roles of poets such as Parveen Shakir, Fahmida Riaz, and Noshi Gilani, who not only voiced personal emotions but also addressed socio-political issues, gender identity, and existential dilemmas. The research emphasizes the shift from romantic idealism to intellectual agency, revealing how modern women poets have reclaimed poetic space and reshaped the literary landscape. This comparative study ultimately illustrates that while classical poets laid the foundation for feminine expression in Urdu poetry, contemporary voices have expanded it into a powerful, conscious, and dynamic literary force.

Keywords: *Urdu Poetry, Women Poets, Classical Literature, Modern Literature, Feminist Literature, Feminist Expression, Gender Identity, Literary Evolution, Feminine Perspective, Parveen Shakir, Fahmida Riaz*

کلیدی الفاظ: اردو شاعری، خواتین شاعرات، کلاسیکی ادب، جدید ادب، نسوانی اردو ادب، نسوانی اظہار، صنفی شناخت، ادبی ارتقا، نسوانی نقطۂ نظر، پروین شاکر، فہمیدہ ریاض

تخیل اور موزونیٔ طبع شاعری کے وہ بنیادی عناصر ہیں جن کی تقسیم میں فطرت نے کوئی صنفی امتیاز روا نہیں رکھا۔ ہر مہذب اور متمدن عہد میں عورت نے ادب کی سرزمین کو اپنی فکر کی بارش سے سیراب کیا، مگر تاریخی ادبی تذکرے مردانہ اجارہ داری کے تحت مرتب ہوتے رہے۔ شاعرات کا کلام یا تو نظر انداز کیا گیا یا محض حاشیوں میں دبا دیا گیا۔

تاریخِ ادب کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی خواتین شاعرات نے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اشعار تخلیق کیے، مگر ان کی ادبی پہچان تذکرہ نگاروں کی بے اعتنائی کا شکار رہی۔ خود "میر تقی میر" کی بیٹی شاعرہ تھیں، مگر "نکات الشعرا" جیسی معروف تصنیف میں ان کا تذکرہ سرے سے غائب ہے۔ تذکرہ نگاروں نے گویا مستورات کے ذکر کو معیوب یا گناہ تصور کیا۔

تاہم وقت کے دھارے نے یہ جمود توڑا۔ نواب "مصطفیٰ خان شیفتہ" نے اپنی کتاب "گلشنِ بے خار" میں چند شاعرات کا ذکر کیا۔ اسی طرح "مولوی عبدالغفور نساخ" نے "سخن شعرا" میں خواتین شعرا کو جگہ دی۔ رفتہ رفتہ جب خواتین نے دیگر شعبہ ہائے زندگی میں قدم جمانے شروع

کیے تو ان کی فکری و فنی صلاحیتوں کو بھی تسلیم کیا جانے لگا۔ جدید و عہدِ حاضر کی شاعرات نے محض عشقیہ مضامین پر ہی انحصار نہیں کیا بلکہ انہوں نے نسوانی شعور، ذاتی شناخت، استحصال، آزادی، جنس، ذات، اور معاشرتی دوغلے پن جیسے موضوعات کو اپنے اشعار میں شامل کیا۔ ادبی مورخ اور نقاد "ڈاکٹر فرمان فتح پوری" لکھتے ہیں:

"اردو شاعرات کی روایت صدیوں پہ محیط ہے، مگر اس کا مکمل ادراک تبھی ممکن ہے جب ہم اُن نسوانی آوازوں کو سنیں جو صدیوں تک دبی رہی ہیں۔ ان آوازوں میں جو گونج ہے، وہ ایک مکمل تہذیبی اور فکری شعور کی غماز ہے۔"(۱)

اسی تناظر میں "ڈاکٹر خورشید رضوی" کا کہنا ہے:

"اردو کی شعری روایت میں عورت نے ایک خاموش مگر پائیدار تخلیقی سفر طے کیا ہے، جس کی گونج ہمیں کلاسیکی تذکروں کے سطور کے پیچ سنائی دیتی ہے۔ مگر آج کی عورت نے یہ خامشی توڑ دی ہے۔"(۲)

عہدِ موجودہ کے شعری منظر نامے پر جو انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں، ان کی بنیاد ان ہی نسوانی شعور سے نکلنے والی صداؤں نے رکھی۔ بیسویں صدی کے دوسری نصف سے لے کر اکیسویں صدی کی پہلی دہائیوں تک پروین شاکر، کشور ناہید، فہمیدہ ریاض، افضال احمد سید اور ثمینہ راجہ جیسی شعری آوازوں نے اردو شاعری کو ایک نئی جہت دی۔ انہوں نے نسوانی احساسات کو محض موضوع نہیں بلکہ ایک فکری تحریک میں ڈھال دیا۔ نقاد "شمیم حنفی" لکھتے ہیں:

"پروین شاکر نے اردو غزل کو اس کے روایتی دائرے سے نکال کر ایک نئے نسوانی شعور سے ہمکنار کیا۔ ان کے ہاں محبت، محرومی، خود شناسی اور عصری حقائق یکجا ہو کر ایک نیا پیرایہ تخلیق کرتے ہیں۔"(۳)

یوں اردو شاعری کی نسوانی روایت نے کلاسیکی خامشی سے لے کر جدید شعور اور عہدِ حاضر کی بیداری تک کا سفر کیا۔ ہر عہد کی شاعرات نے وقت کی معاشرتی، فکری اور سیاسی صورتحال کا اثر قبول کیا اور ساتھ ہی اپنا اثر بھی چھوڑا۔ یہ ارتقائی سفر ایک فکری کارنامہ بھی ہے اور ایک فنی معرکہ بھی۔ موجودہ دور میں خواتین شاعرات محض جذبات کی ترجمان نہیں بلکہ دانش و بصیرت کی صورت گر بن چکی ہیں۔

ملکہ نور جہاں، جسے تاریخ "مہر النساء بیگم" کے نام سے یاد رکھتی ہے، محض مغلیہ سلطنت کی بااثر و مقتدر ملکہ نہ تھی بلکہ فنونِ لطیفہ کی جمالیاتی کائنات میں اُس کا وجود ایک صوفیانہ شان رکھنے والا چراغ تھا، جو حجاب کی قندیل میں جلتا رہا۔ اگرچہ مؤرخین نے اُس کی سیاسی بصیرت اور تدبیر کو مؤکد کیا ہے، مگر اُس کے فکری اظہار کی نسائی جہتیں اردو شعری روایت میں ابتدائی نقوش کی مانند ہیں، جن سے ایک مخصوص لطافت اور داخلی سوز جھانکتا ہے۔ "مخفی" تخلص اختیار کر کے اُس نے اپنے زمانے کی مذکر جمالیات کے مقابل ایک خاموش نسائی احتجاج رقم کیا۔ اُس کے اشعار میں وقار، جذبے کی تہہ داری، اور اظہار کی لطافت قابلِ التفات ہے:

دل کی چپ سے راز کھلا، آئینہ بے نور ہوا
خود پہ گرا جو سایہ، وہی شبِ تنہائی تھی(۴)

ملکہ نور جہاں کو دربار کی سیاست میں تو کھلی پیش رفت میسر تھی، مگر ایک عورت کی حیثیت سے شاعری کے میدان میں اُسے وہی قدغنیں درپیش تھیں جو ہر دور کی باشعور عورت کو لاحق رہیں۔ اُس نے تخلیق کے وسیلے سے اپنے عہد کی نسائی لاشعور کو صدائے معنی دی، لیکن اُس کا کلام بیشتر زمانوں میں دبیز پردوں میں محو رہا۔ ڈاکٹر خورشید الاسلام اس حقیقت کی جانب متوجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نور جہاں کی شاعری میں نسائی نفسیات کی جو جھلک ملتی ہے، وہ اس عہد کی کسی اور خاتون کے ہاں نہیں ملتی۔ اُن کے اشعار عہد کی عورت کی داخلی دنیا کا آئینہ ہیں"۔(۵)

شہزادی زیب النساء مخفی، مغلیہ خون کی وارث، اورنگزیب عالمگیر کی صاحبزادی، علم و عرفان، تصوف و جمال اور شاعری کی حامل وہ شخصیت ہے جس نے اپنے نام کی معنویت کو "مخفی" رکھ کر لفظوں میں وہ معنی سموئے جو نہ صرف نسائی شناخت کی بازیافت ہیں بلکہ روحانی بصیرت کی شعری تصویریں بھی۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں اُس نے جو اظہار کیا، اُس میں زنانہ تجربات کو روحانی رفعت عطا کی گئی۔ اس کے اشعار میں رمزیت، صوفیانہ جذب، اور ذاتی باطنی ارتقاء کا التباس پایا جاتا ہے:

کچھ اس ادا سے رازِ دل سنایا ہم نے
کہ پردہ بھی رہا، اور چراغ بھی بجھا نہیں(٦)

"زیب النساء" نے ایک ایسی فکری اور جمالیاتی دنیا تخلیق کی جس میں عورت کی داخلیت کو کلام کی زبان عطا کی۔ اگرچہ اُس کے گرد درباری تہذیب کی جکڑ بندیاں اور مذہبی ضوابط کا دباؤ موجود تھا، مگر اُس نے اپنے فن کو ایک "روحانی حجاب" کے اندر بھی شعری روشنی سے محروم نہ کیا۔"پروفیسر شیر علی انجم" اس نکتے کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"مخفی کے اشعار میں عورت کی روحانی بیداری کا پہلا اشارہ ملتا ہے، جو محض مذہبی یا ادبی نہیں بلکہ فکری بغاوت کا ابتدائی اظہار ہے"۔(٧)

بیگم میر تقی میر، اردو شعری روایت کی وہ کم شنیدہ مگر اہم نسائی صدا ہے، جسے تاریخ کی بے اعتنائی نے گم کر دیا، لیکن فکری اور لسانی حوالوں سے اُس کی موجودگی میر کے سائے میں ایک داخلی احتجاج کی صورت قائم رہی۔ اُس کا شعری اسلوب میر کی میراث سے مختلف نہ تھا، مگر اُس میں نسوانی لطافت، جذباتی نزاکت، اور خاموش فکری بغاوت کی آہٹ تھی۔ اُس کے اشعار معدودے چند ہی دستیاب ہیں، لیکن اُن میں ایک مکمل فکری فضا موجود ہے:

میر کی محفل میں چپ رہ کر بھی سب کچھ کہہ گئی
میں وہ صدا ہوں جو دل سے نکلی، زباں تک نہ گئی(٨)

ایک عظیم شاعر کی بیٹی ہونے کے باوجود اُس کے کلام کو تحفظ نہ ملا، اور اُس کی شاعری وقت کے غبار میں محو ہو گئی۔ مگر بعض محققین نے اُس کی موجودگی کو نسائی تخلیق کی خاموش ابتدا کہا ہے۔ فہمیدہ ریاض اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

"بیگم میر کی آواز ہمیں اُن نسائی پکاروں کی یاد دلاتی ہے جو تاریخ کی دھول میں دفن ہو گئیں، مگر ان کے مدھم نقوش اب بھی اردو شعری روایت کا خاموش اثاثہ ہیں"۔(٩)

کلاسیکی عہد کی شاعرات میں کئی نمایاں نام ہیں جنہوں نے اردو شاعری کو نئی جہت دی۔ ان میں "مہ لقا بائی چندا" کی حیثیت ممتاز ہے۔ وہ اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے آغاز میں حیدرآباد دکن میں مقیم تھیں۔ خوش آواز گلوکارہ، رقاصہ اور قادرالکلام شاعرہ تھیں۔ ان کی شاعری میں عشق، نسوانی لطافت اور فصاحت کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ انہوں نے اردو غزل کو نسائی لب و لہجے میں نیا رنگ دیا۔ دیوانِ مہ لقا آج بھی اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ ان کے اشعار میں فراق، یاد، درد اور جذبات کی نرمی عیاں ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تمنا دل سے نکلی اشک بن کر چشم پر ٹھہری

یہی ہے عشق کی تاثیر، گرنا، چھپ کے بہہ جانا(۱۰)

اس دور میں عورت کی آواز محدود تھی، مگر مہ لقابائی نے نسوانی جذبات کو جرأت سے پیش کیا۔ درباری تعلقات اور فنونِ لطیفہ میں مہارت نے ان کے مقام کو بلند کیا، مگر انہیں طوائف کی شناخت کا بوجھ بھی سہنا پڑا، جس نے بعض اوقات ان کے کلام کو صرف جمالیاتی تناظر میں محدود کر دیا۔ گوپی چند نارنگ رقم طراز ہیں:

"مہ لقا کی شاعری محض نسائی نرمی نہیں، بلکہ داخلی کائنات کی ترجمان ہے، جہاں غزل خود ایک نسوانی وجود بن کر ابھرتی ہے"۔(۱۱)

سیدہ جعفر لکھتی ہیں:

"مہ لقابائی کی غزلیں زبان و بیان پر عبور اور نسوانی اسلوب کی بنیاد کی گواہی دیتی ہیں"۔(۱۲)

انہوں نے غزل کو لطیف احساسات کا پیرہن عطا کیا۔ ان کا اسلوب بعد کی دکنی شاعرات کے لیے رہنما ثابت ہوا۔

محترمہ سیدہ سردار بیگم اختر ایک جانی پہچانی شاعرہ، ادیبہ اور مقررہ تھیں جنھوں نے اپنی شناخت اگرچہ "حیدرآبادی" کے طور پر ظاہر کی، تاہم ان کی زندگی کا بیشتر حصہ "کانپور" میں بسر ہوا۔ آپ خان بہادر شیخ عبدالغنی صاحب (گورنمنٹ آرمی کنٹریکٹر، نصیر آباد) کی زوجہ تھیں۔ اردو ادب سے آپ کو گہرا لگاؤ تھا اور ادب کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی دل چسپی رکھتی تھیں۔ آپ کی زندگی زیادہ تر قومی خدمات میں مصروف رہی، اور آپ کا کلام مختلف ادبی رسائل میں تواتر سے شائع ہوتا رہا۔ کلاسیکی اردو شاعرات میں آپ کی حیثیت نہایت قابلِ قدر اور ممتاز مانی جاتی ہے۔ آپ نے ادب کی افادی حیثیت کو سمجھا اور شاعری کو ایک موثر ذریعۂ پیغام و اصلاح بنایا۔ ان کے کلام پر علامہ اقبال کے فکری اثرات نمایاں ہیں، اور ان کا شعری نظریہ بھی "ادب برائے زندگی" کے اصول کے قریب تر ہے۔ ان کے اشعار میں شاعرانہ لطافت، فکری گہرائی، اور جذبات کی صداقت اس طرح آمیختہ ہیں کہ تلقین بھی دل آویزی اختیار کر لیتی ہے:

حق سے ہوا تھا کبھی سینۂ عالم گداز
مجھ کو سنا دیجئے پھر وہ نوا ہائے راز(۱۳)

ان کی نظم "وطن کا سپاہی" اس رنگ کی نہایت کامیاب اور بلیغ مثال ہے۔ اگرچہ وہ غزل سے نہ تو بیزار تھیں اور نہ ہی اسے ترک کیا، تاہم ان کی فکری گہرائی اور پیغام آفرینی نظموں میں زیادہ مؤثر طور پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ ان کی شاعری میں قوم و ملت کی محبت، حب وطن، جوشِ بیان، کیفِ کلام اور نفاستِ جذبات جیسے عناصر بڑی خوش اسلوبی سے نظم ہوتے ہیں۔ اردو شاعری میں اس پائے کا کلام نادر ہے، خصوصاً خواتین شاعرہ کے تناظر میں انہوں نے روایتی معاشرتی قیود کے باوجود اپنی شناخت اور فن کو پروان چڑھایا۔ ایک طرف گھریلو زندگی کی ذمہ داریاں اور دوسری جانب ادب و سیاست میں متحرک کردار—ان کے لیے یقیناً یہ سب کچھ آسان نہ تھا۔ لیکن انہوں نے تمام تر کاوٹوں کے باوجود ایک نمایاں مقام حاصل کیا، جس پر اردو شاعرات کی دنیا بجا طور پر ناز کر سکتی ہے۔ ماہر القادری نے سیدہ سردار بیگم اختر کی شاعری کے بارے میں لکھا ہے:

"اختر صاحبہ کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیات ترنم، روانی اور سادگی ہے۔ وہ شعر کو فیثا غورث کا نظریہ نہیں بناتیں، سیدھی سادی بات کہتی ہیں جو اندازِ بیان کی پاکیزگی اور دل کشی کے بعد سحر حلال بن جاتی ہے۔"(۱۴)

جدید شاعرات

پروین شاکر کے نام سے اردو ادب کا شاید ہی کوئی قاری ناواقف ہو۔ وہ ایک ایسی شاعرہ ہیں جنھوں نے نسائی جذبات، فکری باریکیوں اور لطیف کیفیات کو ایک خاص تازگی اور ندرت کے ساتھ پیش کر کے اردو غزل کی روایت میں ایک نیا باب رقم کیا۔ اُن کا پہلا شعری مجموعہ "خوشبو" 1976ء میں منظر عام پر آیا، جس نے انہیں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ ان کا اسلوب نہ صرف لطیف ہے بلکہ پر اثر بھی ہے، جس میں جذبات کی شدت، زبان کا حسن اور بیان کا نفسیاتی توازن حیران کن طور پر موجود ہے۔

پروین شاکر کی شاعری میں عورت کے داخلی کرب، سماجی جکڑ بندیوں اور رومانوی تجربات کی ایسی ترجمانی ملتی ہے جو اردو شاعری میں کم یاب ہے۔ اُن کی شاعری میں ہجر و وصال کی کیفیات، عدم تحفظ، محبت کی معصومیت، مرد کی بالادستی، اور نسوانی بے بسی جیسے موضوعات نہایت پر تاثیر انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔ مثلاً:

جگنو کو دن کے وقت پرکھنے کی ضد کریں
بچے ہمارے عہد کے چالاک ہو گئے ہیں(۱۵)

یہ شعر صرف معصومیت کا نوحہ نہیں بلکہ بدلتے ہوئے سماجی رویوں کی ایک گہری علامت ہے۔ پروین نے اپنے کلام میں جذبات اور فکر کے امتزاج کو برقرار رکھا۔ ان کی شاعری میں جو تازگی ہے، وہ اسی توازن کی مرہون منت ہے۔ ان کی فنی خوبیوں میں سادگی کے ساتھ معنوی تہہ داری، استعارہ سازی کی مہارت اور نازک احساسات کو شعری سانچے میں ڈھالنے کی قابلیت شامل ہے۔ نسائی شاعری کو جو وقار پروین نے عطا کیا، اس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ پروین شاکر کو اپنی شاعری میں سماجی و ازدواجی مسائل کا بھی شعور رہا۔ اُن کے کئی اشعار زندگی کی ناہمواریوں، عورت کی بے اختیاری، اور جذباتی الجھنوں کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں، جیسے:

چلی ہے تھام کے بادل کے ہاتھ کو خوشبو
ہوا کے ساتھ سفر کا مقابلہ ٹھہرا(۱۶)

ان اشعار میں احمد ندیم قاسمی کی سرپرستی کا ذکر بھی اُن کے فکری پس منظر کو واضح کرتا ہے۔ پروین شاکر نے شاعری کو محض نسوانی جذبات کی عکاسی تک محدود نہیں رکھا، بلکہ ایک فکری شعور، خود آگہی اور تخلیقی انفرادیت کے ساتھ پیش کیا۔ نقاد خلیق الزماں نصرت کے بقول:

> "پروین شاکر کی غزلوں میں نسوانیت کی وہ چیخ چھپی ہوئی ہے جو ایک غیر مطمئن روح سے ابھری ہے۔۔۔ ایسی بااختیار تلوار کی جھنکار صاف سنائی دیتی ہے جس میں رزمیے کی نہیں مرثیے کی لے پائی جاتی ہے"(۱۷)

اک ہنر تھا کمال تھا کیا تھا
مجھ میں تیرا جمال تھا کیا تھا(۱۸)

پروین شاکر کو بجا طور پر جدید اردو شاعری کی سب سے منفرد اور معتبر آواز قرار دیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے عورت کو محض جذباتی کردار سے نکال کر فکری میدان میں ایک باشعور اور حساس انسان کے طور پر پیش کیا۔ ان کی شاعری میں تہذیب، تجربہ اور نسوانی شعور کی وہ جھلکیاں ملتی ہیں جو اردو ادب کو ایک نئی سمت عطا کرتی ہیں۔ ان کا فکری اور فنی انداز آنے والی نسلوں کے لیے ایک حوالہ اور سرمایہ بن چکا ہے۔

نوشی گیلانی اردو غزل کی روایت میں ایک منفرد اور نازک لہجہ رکھنے والی شاعرہ کے طور پر پہچانی جاتی ہیں۔ ان کا اصل نام طیبہ بنتِ گیلانی ہے، اور وہ ۱۴ مارچ ۱۹۶۴ء کو بہاول پور کی علمی، تہذیبی اور روحانی فضاؤں میں پیدا ہوئیں۔ سابق ریاست بہاول پور کی ثقافتی زرخیزی نے ان کی طبیعت اور طبع سخن کو جِلا بخشی۔ وہ تدریس کے شعبے سے وابستہ ہیں اور پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں۔

نوشی گیلانی نے نہ صرف پاکستانی ادبی فضا میں اپنی موجودگی کا احساس دلایا بلکہ عالمی مشاعروں اور ترجمہ شدہ نظموں کے ذریعے بھی اردو ادب کی نمائندگی کی۔ ان کی شاعری میں احساسات کی لطافت اور اظہار کی گہرائی کا ایسا حسین امتزاج ملتا ہے جو قاری کے دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ان کی مشہور شعری تصانیف میں "محبتیں جب شمار کرنا"، "پہلا لفظ محبت لکھا"، اور "اداس ہونے کے دن" شامل ہیں۔

کچھ نہیں چاہئے تجھ سے اے مری عمرِ رواں
مرا بچپن، مرے جگنو، مری گڑیا لا دے (۱۹)

اس ایک شعر میں ان کے طرزِ احساس اور پُر اثر لہجے کی جھلک نمایاں ہے، جہاں ماضی کی معصومیت کو دوبارہ پانے کی بے تابی دکھائی دیتی ہے۔

نوشی گیلانی کی شاعری عورت کے داخلی جذبات، محبت کی کیفیات، معاشرتی الجھنوں اور روحانی تہذیبی حوالوں سے لبریز ہے۔ ان کے کلام میں رومانویت ایک مستقل جذبے کے طور پر موجود ہے مگر وہ محض روایتی نہیں، بلکہ گہرے فکری استعاروں، جدید شعری رویوں، اور تہذیبی علامتوں کے ساتھ ایک معنویت سے بھرپور اظہار بنتی ہے۔

ان کی شاعری کا اسلوب نرم، شفاف اور موسیقیت سے لبریز ہے۔ عام زندگی کے احساسات اور روزمرہ جذبات کو اس سادگی اور ندرت سے بیان کیا ہے کہ وہ دل میں اتر جاتے ہیں۔ غزل اور نظم دونوں میں ان کا لہجہ نسائی احساسات کا آئینہ دار ہے، مگر یہ احساسات کمزور یا مجبور نہیں، بلکہ مکمل شعوری قوت کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔

نوشی گیلانی کی فکری ساخت میں مشرقی تہذیب کی جمالیات، روحانی بصیرت، اور عالمی ادب کے اثرات نمایاں ہیں۔ ان کی کئی نظموں کا انگریزی، ملائی، اور یونانی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، جو ان کی شاعری کی عالمی مقبولیت کا ثبوت ہے۔ محسن نقوی نے نوشی گیلانی کی شاعری کو سراہتے ہوئے کہا:

> "روہی کی زرخیز کوکھ سے پھوٹنے والی غزلوں میں نوشی نے شہر محبت کی خواب پرست آنکھوں کو پتھرانے سے محفوظ رکھنے کے لیے ان گنت خوشنما منظروں کا رسد فراہم کیا۔ ان کا کلام محض وقتی نہیں، بلکہ قدیم و جدید اردو ادب، عالمی ادب، تہذیب و ثقافت، روحانی اور تاریخی مکاتبِ فکر کا ترجمان ہے۔"(۲۰)

نوشی گیلانی نے جدید اردو شاعری میں عورت کی آواز کو ایک نئی جہت دی، جہاں عورت نہ صرف عاشق یا محبوبہ کے استعارے سے ہٹ کر ایک مکمل فکری، جذباتی اور شعوری پیکر کے طور پر سامنے آتی ہے۔ کلاسیکی غزل کی جمالیاتی روایت کو نبھاتے ہوئے انہوں نے جدیدیت کے تقاضوں کو اپنے منفرد لہجے میں سمویا۔ ان کی شاعری میں عورت کے وجود، اس کی داخلی کشمکش اور شناخت کے سوالات کو جس جرأت، نفاست اور شعور کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، وہ اردو شاعری کی روایت میں ایک نمایاں تبدیلی کی علامت ہے۔ ان کے لیے ادبی دنیا میں راستے ہمیشہ ہموار نہ تھے؛ ایک عورت ہونے کے ناتے انہیں کئی سماجی و ثقافتی رکاوٹوں کا سامنا رہا، مگر انہوں نے خاموشی کو ہتھیار بنانے کی بجائے سخن کو زخم کی طرح چمکایا اور اپنی شناخت قائم کی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عہدِ حاضر کی نمائندہ شاعرہ کے طور پر تسلیم کی جاتی ہیں۔

فہمیدہ ریاض (28 جولائی 1946ء–21 نومبر 2018ء) اردو ادب کی وہ توانا آواز ہیں، جنہوں نے اپنے انفرادی اسلوب، نسوانی شعور اور فکری بغاوت کے ذریعے ادب کی روایت میں ایک نئی لہر پیدا کی۔ وہ صرف شاعرہ نہیں، ایک دانشور، مترجم، ناول نگار اور حقوق نسواں کی علمبردار بھی تھیں۔ ان کا تعلق ترقی پسند تحریک سے رہا، جس کا اثر ان کی شاعری اور فکری نظریات میں نمایاں طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ان کی ابتدائی تعلیم حیدر آباد (سندھ) میں ہوئی، اور فارسی و اردو ادب پر گہری نظر نے ان کے شعری لہجے کو ایک خاص تہذیبی اور فکری وقار بخشا۔

فہمیدہ ریاض کی شاعری عورت کے وجود، اس کی خواہش، اس کی ہنسی، اس کی شناخت اور اس کی آزادی کے ان تمام پہلوؤں کو منظرِ عام پر لاتی ہے جو کلاسیکی شاعری میں یا تو غائب رہے یا علامتی انداز میں پیش کیے گئے۔ ان کا لہجہ براہِ راست، بے ساختہ اور خود آگاہ ہے۔ وہ جذبات کی نزاکت کو بھی شدت کے ساتھ برتتی ہیں اور احتجاج کو بھی جمالیات میں ڈھالتی ہیں۔ ان کے ہاں نسوانیت محض مظلومیت یا محبوبیت کا پیکر نہیں، بلکہ مکمل انسانی شعور کا عکاس ہے۔

ان کے اشعار عورت کی داخلی اور خارجی دنیا کا ایسا آئینہ ہیں جس میں نہ صرف اس کی خواہشیں بلکہ اس کی تکلیفیں اور خواب بھی بولتے ہیں:

پتھریلے کہسار کے گاتے چشموں میں
گونج رہی ہے ایک عورت کی نرم ہنسی (۲۱)

ایسا شعری منظر نامہ نہ صرف صنفی شناخت کے جبر کو توڑتا ہے بلکہ عورت کی انفرادیت کو معاشرتی جکڑبندیوں سے آزاد کر کے بیان کرتا ہے۔
فہمیدہ کی شاعری میں وہ عورت بھی بولتی ہے جسے صدیوں سے خاموشی کی عادت ڈال دی گئی تھی:

ہم عورتیں اب کوئی خوشبو نہیں
جو صندل کی لکڑی میں جذب ہو جائیں (۲۲)

یہ شعر اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ عورت کی شناخت کو محض ایک خوبصورتی یا لطافت کے پیکر میں محدود نہیں کرتیں، بلکہ اس کے شعور اور وجود کی بازیافت کو ترجیح دیتی ہیں۔

ان کی اہم تصانیف میں "گوداوری"، "خطِ مرموز"، "بدن دریدہ"، "اپنا جرم ثابت ہے"، "مٹی کی مورت ہوں" اور "سب لعل و گہر" شامل ہیں۔ "خانہ آب و گل" مولانا روم کی مشہور مثنوی کا اردو ترجمہ ہے، جسے انہوں نے روحانیت، جمالیات اور فکری سادگی کے امتزاج سے پیش کیا۔ "اپنا جرم ثابت ہے" ان کے ان تلخ تجربات کا شعری اظہار ہے جو انہوں نے آمریت کے سائے میں جیل، جلاوطنی اور سنسر شپ کے دوران سہے۔
فہمیدہ ریاض کو اپنے وقت کے معاشرتی اور سیاسی حالات نے کبھی مکمل قبول نہیں کیا۔ ان پر اس وقت کے جبر کے نمائندہ عناصر کی جانب سے فحاشی، بے باکی اور روایت شکنی کے الزامات عائد کیے گئے، بالخصوص ان کے شعری مجموعے "بدن دریدہ" کے بعد انہیں خاصی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر وہ ان اعتراضات کے آگے نہ جھکیں، نہ رکیں، بلکہ اپنی فکری راہ پر ثابت قدم رہیں۔
جنرل ضیاء الحق کے دور آمریت میں انہوں نے جب آزادی اظہار پر پہرہ دیکھا تو خود ساختہ جلاوطنی اختیار کرتے ہوئے بھارت میں کئی برس گزارے۔ وہاں انہوں نے سندھی زبان کے عظیم شعرا "شاہ عبد اللطیف بھٹائی" اور "شیخ ایاز" کے کلام کو اردو میں منتقل کیا، یوں اپنی مترجمانہ صلاحیتوں کا بھی لوہا منوایا۔

فہمیدہ ریاض کی شاعری کلاسیکی شعری روایت سے ایک واضح انحراف اور جدید تر نسائی شعور کا اعلان ہے۔ جہاں کلاسیکی شاعری میں عورت ایک جامد، تابعدار اور ساکت وجود کے طور پر موجود تھی، وہاں فہمیدہ ریاض نے اسے متحرک، باشعور، آزاد اور احتجاجی کردار میں ڈھالا۔ یہی ان کی شاعری کی سب سے بڑی انفرادیت ہے۔

اردو شاعری کی تاریخ میں خواتین شاعرات کا کردار ہمیشہ نہایت اہم رہا ہے۔ کلاسیکی دور میں "ماہ لقا چندا بائی"، "مہر النساء"، "ملکہ نور جہاں" اور "بیگم میر" جیسی باکمال شخصیات نے تخلیقی اظہار کے ان دریچوں کو وا کیا جو اس سے پہلے نسوانی دنیا کے لیے بند سمجھے جاتے تھے۔ ایک ایسے معاشرتی پس منظر میں، جہاں خواتین کا قلم تھامنا معیوب خیال کیا جاتا تھا، ان شاعرات نے اپنے داخلی جذبات اور فکری بالیدگی کو نہایت نفاست اور حسنِ بیان سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا۔ ان کی شاعری میں روایتی محبت، سادگیِ جذبات، تہذیبی اقدار اور روحانی لطافت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ انہوں نے اس حقیقت کو اجاگر کیا کہ عورت محض خاموش تماشائی نہیں، بلکہ ایک حساس دل اور صاحبِ فکر ذہن کی حامل ہے، جو نہ صرف حسن و عشق کے معاملات کو بیان کر سکتی ہے بلکہ تہذیب و تمدن کا شعور بھی اپنے فن میں سمونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

کلاسیکی شاعرات نے اپنے عہد کی پابندیوں، علمی و ادبی رکاوٹوں اور سماجی قدغنوں کے باوجود اپنی تخلیقات کے ذریعے ایک خاموش مگر گہرا انقلاب برپا کیا۔ انہوں نے نسوانی اظہار کو ایک ادبی شناخت عطا کی اور اردو شاعری میں خواتین کی آواز کو پہلی مرتبہ معتبر مقام دیا۔ ان کی جدوجہد خاموش تھی مگر اثر انگیز، جس نے آنے والے ادوار کی بنیادیں مستحکم کیں۔

جدید دور کی شاعرات، جن میں "پروین شاکر"، "فہمیدہ ریاض" اور "نوشی گیلانی" شامل ہیں، ایک نسبتاً زیادہ باشعور اور بدلتے ہوئے معاشرے میں سامنے آئیں۔ تاہم، انہیں بھی اپنے مخصوص مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ روایتی سماجی ڈھانچے، دقیانوسی اقدار اور نسوانی جذبات کے استحصال کے خلاف آواز اٹھانا ان شاعرات کے لیے آسان نہ تھا۔ "پروین شاکر" نے محبت کے جذبات کو ایک نئے لہجے میں، نسوانی حساسیت اور انفرادیت کے ساتھ پیش کیا۔ ان کے ہاں جذبے کی تازگی اور نسائی لطافت کی جو خوشبو ہے، وہ اردو شاعری میں پہلے کبھی نہ تھی۔ "فہمیدہ ریاض" نے محض عشقیہ موضوعات پر اکتفا نہ کیا بلکہ معاشرتی ناانصافیوں، عورت کی آزادی اور انسانی حقوق کے مسائل کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ "نوشی گیلانی" نے جدید نظم میں اپنے احساسات کو ایک تازہ انداز سے ڈھال کر نسائی شعور کی نئی جہات دریافت کیں۔

جدید شاعرات نے زبان، موضوع اور اسلوب میں ایسی تبدیلیاں متعارف کرائیں جو ماضی کے روایتی سانچوں کو توڑ کر نسوانی وجود کو ایک مکمل فکری اور ادبی آزادی عطا کرتی ہیں۔ وہ ذاتی جذبات کے اظہار کے ساتھ ساتھ اجتماعی نسوانی شعور کی بھی نمائندہ بنیں، اور انہوں نے معاشرتی مسائل پر جرات مندانہ انداز میں قلم اٹھایا۔ یوں ان کی شاعری محض تخیل کی پرواز نہیں بلکہ ایک زندہ، متحرک اور جدوجہد کرتی ہوئی نسائی آواز بن گئی۔

کلاسیکی اور جدید شاعرات کے اس تقابلی مطالعے سے یہ حقیقت ابھرتی ہے کہ اگر کلاسیکی شاعرات نے نسوانی اظہار کے لیے بنیاد فراہم کی تھی تو جدید شاعرات نے اس بنیاد پر آزادی، خود آگہی اور سماجی شعور کی عظیم عمارت تعمیر کی۔ دونوں ادوار کی خواتین نے اپنے اپنے انداز میں زبان و بیان کو جلا بخشی، نسوانی جذبات کو مروجہ معیار سے بلند کیا اور ادب میں عورت کی شناخت کو ایک معزز مقام عطا کیا۔ مشکلات بے شمار تھیں، رکاوٹیں ہمہ گیر تھیں، مگر ان شاعرات کا عزم، حوصلہ اور تخلیقی جنون بالآخر فتح مند ہوا۔ انہوں نے نہ صرف اپنی آواز کو ادب کا حصہ بنایا بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے نئی راہیں ہموار کیں۔ آج اردو شاعری ان کی بدولت ایک ایسی زمین بن چکی ہے جس میں نسوانی تجربے کے رنگ بھرپور انداز میں بکھرے ہوئے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1. ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ادبی تنقید کی روایت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2001، ص:89
2. ڈاکٹر خورشید رضوی، اردو شاعری کا فکری سفر، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2004، ص:144
3. شمیم حنفی، جدید اردو شاعری، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، 1998، ص:193
4. قریشی، سیدہ آمنہ، ابتدائی مسلمان شاعرائیں، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2001، ص 43 :
5. خورشید الاسلام، ڈاکٹر، اردو ادب میں خواتین کا حصہ، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 1998، ص 77 :
6. علی، ڈاکٹر نازیہ، صوفیانہ شاعری میں نسائی اسلوب، ادارہ ادبیات، کراچی، 2012، ص 119 :
7. انجم، پروفیسر شیر علی، مغلیہ عہد کی نسائی شاعری، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2004، ص 132 :
8. ہما، رابعہ، خاموش نسائی آوازیں، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2009، ص 88 :
9. ریاض، ڈاکٹر فہمیدہ، اردو شاعرات کی پوشیدہ آوازیں، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2010، ص 59 :
10. دیوانِ مہ لقابائی چندا، ریختہ (rekhta.org)، ص 22 :
11. گوپی چند نارنگ، عورت اور اردو شاعری، انجمن ترقی اردو، دہلی، 2002، ص 78 :
12. سیدہ جعفر، دکن کی خواتین شاعرات، حیدرآباد یونیورسٹی، 1987، ص 91 :
13. محمد جمیل احمد، شاعراتِ اردو، پبلی کیشنز، بریلی (انڈیا)، یکم جنوری 1940، ص:224
14. ماہر القادری، "اقبالیات اردو"، جنوری 2012، ص:8 (allamaiqbal.com)
15. پروین شاکر، خوشبو، سحر پبلی کیشنز، لاہور، 1976، ص 14 :
16. پروین شاکر، صد برگ، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، 1980، ص:51
17. خلیق الزماں نصرت، اردو شاعری: میر سے پروین شاکر تک، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2005، ص 21 :
18. پروین شاکر، ماہِ تمام، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، 1986، ص:77
19. محمد شمس الحق، پیمانۂ غزل (جلد دوم)، ادارہ معیارِ ادب، لاہور، 2015، ص:443
20. محسن نقوی، شہرِ دل کے آئینے میں، ادارہ ادب و فکر، لاہور، 2001، ص:122
21. فہمیدہ ریاض، ایک عورت کی ہنسی، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ص :79
22. فہمیدہ ریاض، بدن دریدہ، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 1978، ص :17

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Dr. Farman Fateh Puri, *Adabi Tanqeed Ki Riwayat*, Muqtadra Qaumi Zaban, Islamabad, 2001, P:89
2. Dr. Khurshid Rizvi, *Urdu Shayari Ka Fikri Safar*, Majlis Taraqqi Adab, Lahore, 2004, P: 144
3. Shameem Hanafi, *Jadeed Urdu Shayari*, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 1998, P: 193
4. Qureshi, Syeda Amna. *Ibtidaai Musalman Sha'airain*, Majlis Taraqqi Adab, Lahore, 2001, P: 43
5. Dr. Khurshid-ul-Islam. *Urdu Adab Mein Khawateen Ka Hissa*, National Book Foundation, Islamabad, 1998, P:77
6. Dr. Nazia Ali, *Sufiyana Shayari Mein Nisai Asloob*, Idara Adabiyat, Karachi, 2012, P:119

7. Prof. Sher Ali Anjum, *Mughliya Ehad Ki Nisai Shayari*, Muqtadra Qaumi Zaban, Islamabad, 2004, P:132
8. Rabia Huma. *Khamosh Nisai Awazain*, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 2009, P:88
9. Dr. Fahmida Riaz, *Urdu Sha'airaat Ki Poshida Awazain*, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 2010, P:59
10. *Deewan-e-Mah Laqa Bai Chanda*, Rekhta (rekhta.org), P: 22
11. Gopi Chand Narang, *Aurat Aur Urdu Shayari*, Anjuman Taraqqi Urdu, Dilli, 2002, P:78
12. Syeda Jafar, *Dakan Ki Khawateen Sha'airaat*, Hyderabad University, 1987, P:91
13. Muhammad Jameel Ahmad, *Sha'airaat-e-Urdu*, Publications, Bareilly (India), 1 Jan 1940, P:224
14. Maahir-ul-Qadri, *Iqbalyaat Urdu*, January 2012, P:8 (allamaiqbal.com)
15. Parveen Shakir, *Khushbu*, Sehr Publications, Lahore, 1976, P:14
16. Parveen Shakir, *Sad Barg*, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 1980, P:51
17. Khaleeq uz Zaman Nusrat, *Urdu Shayari: Meer Se Parveen Shakir Tak*, Majlis Taraqqi Adab, Lahore, 2005, P: 21
18. Parveen Shakir, *Mah-e-Tamam*, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 1986, P:77
19. Muhammad Shams-ul-Haq, *Paimana-e-Ghazal (Jild Doem)*, Idara Miyaar-e-Adab, Lahore, 2015, P:443
20. Mohsin Naqvi, *Shehr-e-Dil Ke Aaine Mein*, Idara Adab-o-Fikr, Lahore, 2001, P: 122
21. Fahmida Riaz, *Ek Aurat Ki Hansi*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, P:79
22. Fahmida Riaz, *Badan Dareeda*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1978, P:17